© rasailojaraid.com

جمیل الزہاوی، عراق کا نامور شاعر

جناب مولوی محمود الحسن صاحب ندوی ایم، اے علیگ، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی

زہاوی پر کچھ لکھتے وقت مجھے ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس کے وہ جملے یاد آرہے ہیں جو انھوں نے اس عظیم عراقی شاعر کے بارے میں تحریر کئے تھے، حسنِ اتفاق سے رفائیل بطی کی مرتبہ کتاب "الادب العصری فی العراق" اس وقت ہاتھ میں ہے۔ اس میں زہاوی کی تصویر جرمانوس کے فکر انگیز جملوں کی پوری طرح تائید کرتی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔

"زہاوی کے چہرہ سے اسلامی مشرق کے پرجوش، نیک نیت، اور فلسفی شاعر کی خصوصیات آشکارا ہوتی ہیں، اس کے لمبے پریشان بال، بے ترتیب داڑھی اور بے رونق آنکھیں، مشرق کے پریشان ماحول کی غمازی کرتی ہیں" معارف اکتوبر ۱۹۵۹ء مرتبہ محمود الحسن ندوی

بلاشبہ اس کی پُرشکن چوڑی پیشانی، خشخشی اور منتشر داڑھی کے چند بے ترتیب گچھے، ہونٹوں پر سایہ فگن مونچھیں، سر پر لٹکے ہوئے لمبے لمبے بالوں کی لٹیں، غم کی تلاطم آمیز گہری خموشیاں لئے ہوئے بے رونق آنکھیں زہاوی کی شخصیت، افکار اور اس کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں، اس کی صورت اس کی شاعری ہے اس کو دیکھ کر جو نقشہ ذہن میں آتا ہے، افکار کے جیسے نقوش ابھرتے ہیں اور ہمارے دل میں جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ سب اس کی شاعری میں پائے جاتے ہیں،

اس کی شاعری میں فلسفہ ہے تشکیک ہے، ماہیتِ انسان کا جدید سائنسی تصور ہے، مذہب واخلاق ہے، بغاوت اور وفا کا درس ہے۔ سیاسی واجتماعی زندگی کے مسائل ہیں، محبت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فراق وو صال کی دھوپ چھاؤں ہے، غم کی شدت اور تلخیوں کا بوجھ ہے، آلام حیات کے آنسو ہیں مایوسیوں کی تاریکی اور امید کی روشنی ہے حوصلہ ہے اور احساس شکست بھی، بیزاری و الفت کے پہلو میں اُلفت و ہمدردی کا ترانہ ہے، وہ سامراج کا مداح ہے اور اس کا مخالف بھی، وہ رسم ورواج کی بیڑیوں سے آزاد ہونے پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے اور آزادی علم کا زبردست داعی ہے وہ حقوقِ نسواں کا مبلغ جہالت و تاریکی کا دشمن ہے، وہ عثمانیوں سے محبت بھی کرتا ہے اور نفرت بھی وہ عرب قوم پرستی کی دعوت دیتا ہے مگر اسلام کی وسیع تعلیمات، انسانیت کا عالمگیر مفہوم، اخلاق کا کائناتی تصور اور زندگی کا ایک انقلابی مفہوم اس کے افکار سے کبھی نہیں جدا ہوتے، زہاوی بظاہر ان متضاد اوصاف کا شاعر ہے۔ یہ تضاد ان لوگوں کے لئے اور گہرا اور حیرت انگیز ہو جاتا ہے جو اشیاء کو اس کے ظاہر سے پہچانتے ہیں جن کے پرکھنے کا معیار سطحی ہوتا ہے، اس طرح ظاہری اختلافات کے پیچھے جو فکری اتحاد اور جذبہ کی وسعت موجود ہے وہاں تک اس کی نگاہیں نہیں پہنچتیں، علم و انسانیت کی بلند ترین چوٹی جہاں سے فلسفی اور شاعر کائنات انسانی پر نظر ڈالتا ہے اور کبھی تہذیبِ انسانی کے ایک پہلو اور کبھی دوسرے پہلو پر جو زور دیتا ہے۔ کوتاہ نظروں کے لئے پیچیدگی پیدا کر دیتی ہے، زہاوی علم و انسانیت کی جس بلند چوٹی پر فائز تھا اس کے جذبات کی جو رنگا رنگی تھی اور اس میں جو وسعتیں تھیں وہ اس کی شاعری میں بظاہر تضاد بن کر نمودار ہوئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں اس پر اور بہت سے اعتراضات عائد ہوئے اس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس کی شاعری متضاد خیالات سے پُر ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تضاد ہونا کوئی قابلِ اعتراض بھی نہیں کیونکہ انسانی فکر کوئی جامد مادی شئے نہیں جو ایک بار فطرت سے ملی ہو اور پھر ساری عمر اسی حالت میں باقی رہے بلکہ یہ انسانی دماغ کی جدوجہد اور اس میں تبدیلیوں سے متاثر ہوتی ہے، انسان جس جگہ سے سفر کا آغاز کرتا ہے، منزل تک پہنچتے پہنچتے نہ جانے کتنی بار اسے ٹھوکریں لگتی ہیں، درماندگی سے واسطہ پڑتا ہے، پیچیدہ راہیں اسے غلط راہوں پر ڈال دیتی ہیں، پھر وہ سنبھلتا ہے بالآخر وہ منزل سے قریب ہوتا ہے یہی حال انسانی افکار کا ہے اس کی تو منزلیں بھی بدلتی رہتی ہیں لیکن ہمیشہ صداقت کی تلاش انسانی فکر کو نئی نئی راہیں دکھاتی ہے جس قدر شدید تلاش کی تڑپ ہوگی اسی قدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راہیں دشوار سے دشوار تر ہوتی جاتی ہیں لیکن راہ کی پیچیدگیاں اور جستجو کی شاخ در شاخ وسعتوں سے قطع نظر اگر غور کیا جائے تو ہمیں ایک ہی پیشِ جادواں کا ادراک ہوتا ہے، انسانی فکر وجذبہ کا تمام تر کارنامہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک حسنِ برتر کے پیچھے اپنی پوری قوتوں کے ساتھ دوڑ رہا ہے ہمیں زہاوی کے یہاں اسی حقیقت کا پتہ چلتا ہے اس کی منزل بلاشبہ ستاروں سے آگے ہے اس کی فکر کبھی ستاروں سے اُلجھ کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کی مشرقی روحانیت کی تیز نگاہیں اس مادی کائنات کے پیچھے کچھ اور تلاش کرتی ہیں وہ اس تلاش میں کبھی تھک جاتا ہے، شکوک اس کے قدم تھام لیتے ہیں کبھی جھنجھلاتا ہے اور کبھی شوخیاں بھی کرتا ہے لیکن جستجو کی عظیم قوت ہمیشہ اس کو سہارا دیتی ہے، چنانچہ نہ وہ اسلام کا منکر ہے اور نہ مشرق سے بیزار و مایوس، البتہ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نظر آتے ہیں ابو العلاء المعری کی قنوطیت کا سایہ نظر آتا ہے لیکن کہیں بھی وہ تھک کر بیٹھ نہیں جاتا۔ زہاوی کے افکار میں ایسا ارتقائی عمل ہے جو برابر جاری ہے اور ہر قدم حسن سے حسن تر کی جانب اٹھتا ہے، وہ عقل کے استعمال پر زور دیتا ہے، حق وسچائی کی تبلیغ کرتا ہے اور آزادی وحریت کے نغمے گاتا ہے، ان نغموں میں ایک باغی کی للکار، ایک مصلح کا وقار اور فلسفی کا تفکّر پایا جاتا ہے۔

مختصراً اس کی شخصیت کا تعارف کراؤں گا اس کے بعد اس کے افکار جن کا دائرہ سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل تک وسیع ہے اس پر روشنی ڈالوں گا، اس تجزیہ وتنقید سے جہاں اس کی شاعری کی نیرنگی نمایاں ہوگی وہیں اس کا مقام اور اس کے فن کی حیثیت نمایاں ہوگی۔

زہاوی بغداد میں ۱۸۶۳ء کے اندر پیدا ہوا۔ اس کے اجداد کا نسب خالد بن ولید سے ملتا ہے اس کے دادا ملا احمد "زہاو" چلے گئے تھے "زہاو" کرمشاہ کے حدودِ مملکت کا ایک حصّہ تھا وہاں انھوں نے ایک شریف کردی گھرانے کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے زہاوی کے والد محمد فیضی الزہاوی پیدا ہوئے "زہاو کی نسبت سے یہ لوگ زہاوی کہلائے"

(تاریخ الادب العصری فی العراق، رفائیل بطی ص۶۱)

"زہاوی کی تعلیم مروجہ طرز پر ہوئی اور ابتدائی مدرسہ میں داخل کیا گیا۔
مصادر الدراسۃ العربیہ جلد دوم ص۲۲۹ مؤلفہ یوسف السعد داغر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے والد بغداد کے مفتی تھے، اس لئے بھی تعلیم و تربیت کا ماحول مشرقی تھا، اس نے علوم قدیمہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی وہ لکھتا ہے "میں نے قدیم علوم کو بہت حاصل کیا لیکن مجھے پسند نہیں آیا، البتہ جدید علوم نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا" (دیوان الزھاوی، مرتبہ ڈاکٹر یوسف نجم ص۱۷۳)

بچپن ہی سے طبیعت آزاد پسند تھی پابندیوں اور قیود سے نفرت کرتا تھا، اور جب جوان ہوا تو وہ آزاد طبیعت اور رنگ لائی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی دیوانگی اور سرمستیوں سے وہ خوب کھیلا ہے اس کی طبیعت اور ذہن ہر میدان میں نشو و نما پاتے رہے، فارسی اور ترکی زبانوں پر اسے غیر معمولی قدرت تھی بالخصوص ترکی ہی کے ذریعہ جدید فلسفہ اور ادبی رجحانات سے واقف ہوا۔ وہ ان زبانوں کے علاوہ کسی بھی مغربی زبان سے آشنا نہیں تھا اس لئے اس کے علمی اور ذہنی ارتقاء کا واحد سہارا ترکی زبان تھی چنانچہ اس پر بہت اچھی قدرت تھی، فلسفہ سے دلچسپی جوانی میں پیدا ہوئی لیکن جدید فلسفہ سے تعلق ترکی کے ذریعہ ہوا۔

ناصر الحانی لکھتا ہے۔ "زھاوی مغربی زبان سے نابلد تھا۔ البتہ اسے دو مشرقی زبانوں فارسی و ترکی میں مہارت تھی، بلاشبہ اس نے اپنے علمی و فلسفیانہ ثقافت کو ان مغربی کتب سے سیراب کیا جن کا ترجمہ ترکی میں ہوا تھا" (محاضرات عن جمیل الزھاوی ص۲)

زھاوی کی زندگی کا بڑا حصہ اس دور میں گذرا جب سلطان عبدالحمید عثمانی سلطنت کی بیمار و مضطر زندگی کو بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ عرب مملکتوں پر اس کا اقتدار اگرچہ کمزور ہو گیا تھا۔ تاہم ولاۃ قسطنطنیہ سے مقرر ہو کر آتے تھے، سیاسی انتشار، داخلی و خارجی سازشوں کا خطرہ اور مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں اور ان کا دباؤ خلافت کے سیاسی استحکام کو متزلزل کر چکی تھیں، ایسے دور میں سلطنت کے استحکام اور اقتدار کو بچانے کی آخری جد و جہد میں مملکت کی پوری قوتوں کو یکجا اور تیزی سے استعمال کرنے کی غرض سے ان میں مرکزیت پیدا ہو گئی تھی ایسی حالت میں تشدد کو سر اٹھانے کے بہت سے مواقع نکل آتے ہیں چنانچہ اس دور میں ہمیں خلافت کے تمام حصوں میں استبداد اور تشدد نظر آتا ہے، ان حالات کا زھاوی پر بہت اثر ہوا جس کا اظہار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی شاعری میں ملتا ہے، تیس سال کی عمر ہونے سے پہلے وہ مجلس المعارف کا ممبر متعین کیا گیا، اس کے بعد ہی مطبعۃ ولایۃ کا نگراں ہوا۔ ذھانت اور ذوق کی بنا پر اسے سرکاری رسالہ "الزوراء" کا ایڈیٹر بنایا گیا۔ وہ محکمہ COURT OF APPEIL کا بغداد میں ممبر بھی منتخب ہوا۔ پچیس سال کی عمر میں داء النخاع بیماری لاحق ہوئی جس سے ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی تلخ ہوگئی، نیز پچپن سال کی عمر میں اس کا بایاں پاؤں شل ہوگیا، اس سے اس کی زندگی اور افسردہ ہوگئی، خلیفۃ المسلمین کی دعوت پر وہ استنبول بھی گیا۔ راہ میں مصر کے چوٹی کے علماء و ادباء نے اس کو خوش آمدید کہا۔

استنبول میں اس کی ذات پڑھے لکھے لوگوں کا مرکز بن گئی، شعراء، ادباء اس سے ملتے رہے، اخباروں ورسالوں کے اڈیٹر آنے جانے لگے چنانچہ خلیفہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے خطرہ کو محسوس کرکے اس کی نقل وحرکت پر پابندی عائد کردی، ایک سال بعد جب زھاوی نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو خلیفہ نے ایک وفد کا ممبر بنا کر یمن کی اصلاح کے لئے بھیج دیا، سال گزرنے کے بعد پھر دارالخلافہ واپس آیا اور حسنِ خدمات کے صلہ میں تمغۂ مجیدی کا مستحق قرار دیا گیا، یہاں دوبارہ آنے کے بعد اسکو محسوس ہوا کہ وہ اب جاسوسوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اس سے وہ بے حد متاثر ہوا اور بددل ہوکر وطن لوٹنے کا ارادہ کیا مگر خلیفہ نے اس خطرہ سے اجازت نہیں دی کہ کہیں اور نہ چلا جائے اس اثناء میں اسے طرح طرح کی تکلیفوں سے گزرنا پڑا۔ بالآخر اُکتا کر ایک نظم میں عبدالحمید کی سیاست پر سخت تنقید کی اور اسے پڑھ کر سنایا، جاسوس ہر طرف پھیلے ہی تھے انھوں نے خلیفہ تک پہونچا دیا اس کے نتیجہ میں اُسے قید کردیا گیا اور پھر عراق بھیج دیا گیا۔

بغداد آنے کے بعد شہر کے ایک بااثر شخص نے جس کا تعلق وہابی جماعت سے تھا اس کے خلاف والی عراق کے کان بھرنا شروع کردیئے اور یہ شکایت کی کہ وہ سلطان کے خلاف سیاسی سرگرمیوں میں مشغول رہتا ہے اور اس کی سیاست کا زبردست مخالف ہے اس کے علاوہ اس شخص نے کفر وزندقہ کا اتہام بھی لگایا، اس زمانہ میں عراق کا گورنر عبدالوہاب باشا البانی تھا اس نے زھاوی کو عراق سے جلاوطن کرنے کا حکم صادر کیا، زھاوی کی طبیعت پر یہ حادثہ بہت شاق گذرا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ انتقاماً اس نے ردِ وہابیت پر ایک کتاب الفجر الصادق تحریر کی، ادھر ترکی میں نئے تصورات کی مقبولیت اور باہر سے نوجوانانِ ترک کے دباؤ نے خلیفہ کو ۱۹۰۸ء میں دستوری حکومت کے اعلان پر مجبور کیا۔ اس دستور کی حمایت اور اس کے فوائد عوام تک پہنچانے میں زھاوی نے نمایاں حصہ لیا۔ انقلابِ عثمانی کے پہلے سال زھاوی نے دارالخلافہ کا سفر کیا۔ وہاں اسے مکتب الملکی، جو مشہور ترین ادارہ تھا اس میں اسلامی فلسفہ کا استاد مقرر کیا گیا، نیز دارالفنون میں شعبۂ ادب کے اندر عربی ادب کا پروفیسر بھی مقرر ہوا۔ تعلیم و تعلم سے جو وقت بچتا تھا، اس میں وہ ترکی کے نامور علمی رسالوں میں فلسفہ پر مقالے لکھتا تھا لیکن پرانے امراض نے شدت اختیار کر لی اور وطن کی محبت نے پھر اُسے عراق پہنچا دیا۔ جہاں وہ لاء کالج میں اُستاد مقرر ہوا۔ ساتھ ہی اس وقت کے دو ممتاز علمی و ادبی رسالوں "المقتطف" اور "المؤید" میں مضامین و نظمیں لکھنے لگا "المؤید" ہی میں زھاوی کا وہ معرکتہ الآراء مضمون "عورت اور اس کا دفاع" کے عنوان سے شائع ہوا جس نے عالمِ عربی میں تہلکہ مچا دیا، بغداد میں لوگوں کے جذبات بہت مشتعل ہوئے، لوگوں کا خیال تھا کہ اس نے شریعتِ اسلامی پر حملے کئے ہیں مشتعل جذبات نے احتجاج کی شکل اختیار کر لی چنانچہ مظاہرین کی جماعت والیِ عراق کے پاس گئی اور مطالبہ کیا کہ اس کو لاء کالج کی پروفیسری سے علیحدہ کر دیا جائے، آخر گورنر کو عوام کے مطالبہ کے آگے جھکنا پڑا۔ بغداد میں زھاوی کے خلاف اتنا زبردست پروپیگنڈہ تھا کہ اس کی جان خطرہ میں پڑ گئی تھی، اس نے گھر سے نکلنا ترک کر دیا، اُسی زمانہ میں اُس نے اپنی کتاب "الجاذبیتہ و تعلیلہا" شائع کرایا، ایک اور رسالہ طبعی و فلکی مسائل سے متعلق المقتطف میں شائع ہوا۔

جب عراق کے گورنر ناظم پاشا کی جگہ جمال پاشا مقرر ہوا تو لاء کالج کی پروفیسری دوبارہ مل گئی، اور بغداد سے ڈپٹی منتخب ہو کر استنبول گیا جہاں عثمانی پارلیمنٹ میں متعدد مواقع پر عربوں کے حقوق کی پُرزور وکالت کی اور جب جنگِ عظیم کے بعد عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہوا تو مجلسِ معارف کا ممبر بنا یا گیا۔

(الادب العصری فی العراق ص۱۵)

مزید برآں عثمانی قوانین کے ترجمہ کی کمیٹی کا صدر بھی مقرر ہوا اور جب عراق میں قومی حکومت قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی تو مجلس الاعیان کا ممبر ہوا۔ اس عہدہ پر سنہ ۱۹۲۹ء - ۱۹۴۵ء تک فائز رہا۔ عمر کے باقی چند سال بھی ملک میں سیاسی معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کرنے میں لگا رہا۔ اس نے ملک کے تمام باشندوں کو یکساں حقوق دلانے اور عورتوں کے حقوق کی مدافعت کرنے میں آخر عمر تک جد وجہد کی لیکن زندگی کی رفتار کبھی نہ کبھی رُکتی ہی ہے چنانچہ زہاوی نے ۷۳ سال کی عمر میں اس دنیا کو خیر باد کہا، زہاوی کی زندگی انیسویں صدی کے نصف آخر سے شروع ہو کر بیسویں صدی کے نصف اول پر ختم ہوتی ہے، اس طویل عرصہ میں اُس نے دنیا کی سیاسی زندگی کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے، معاشی و سیاسی میدانوں میں تبدیلیاں دیکھیں، انسانی افکار کے انقلابات دیکھے غرضیکہ ایک نئی دنیا کے ظہور اور اس کے مخصوص علامات کا مشاہدہ کیا۔ بلاشبہ ایک خاص دائرہ میں ان حوادث میں پُر جوش حصہ لیا، یہی وجہ ہے اس کی شاعری پر اس کے افکار و نظریات کی گہری چھاپ ہے اس کے دل کی دھڑکنیں، اس کے جذبات کی آزادی دراصل اس کی شاعری ہے۔

زہاوی شاعر ہے یا فلسفی یا عالِم ؟ اس کا جواب بڑی حد تک اس پر موقوف ہے کہ شاعری کے بارے میں ناقد کا تصور کیا ہے، اس دور نے انسانی فکر کے جہاں اور بہت سے میدانوں میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں وہیں ادب و تنقید دونوں میں غیر معمولی تغیرات واقع ہوئے ہیں، اس لئے ادب کا وہ تصور جو انیسویں صدی کے آخر میں مشرقی ادب کے اندر پایا جاتا تھا، وہ تیزی سے بدلنا شروع ہوا کیوں کہ ادبی تخلیق کے محرکات میں تبدیلی اور وسعت پیدا ہوئی، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار بدلا، اس میں تنوع پیدا ہوا، انسان کے معاشی، سیاسی اور اخلاقی تعلقات اور باہمی تصورات اس سے متاثر ہوئے، غم کا انداز بدل گیا۔ اور خوشی کے پیمانے نیا روپ اختیار کرنے لگے۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوا کہ شعر و ادب کے موضوعات اور میں ایسی تبدیلی ہوئی جو پرانے معیاروں سے مختلف تھی، یہی تبدیلیاں ہمیں زہاوی کے یہاں ملتی ہیں، شعر کے بعض عناصر ممکن ہے اس کے یہاں کم پائے جاتے ہوں مثلاً تخیل کی فراوانی اور تشبیہات کی شادابی کا فقدان ہو، اس نے بعض نظموں میں بحر و قافیہ کی پابندی نہیں کی ہے لیکن یہ خامی اس کے جذبات کی گرمی اور احساس کی تیزی سے پوری ہو جاتی ہے، البتہ جہاں خالص علمی مسائل نظم کرتا ہے ظاہر ہے اس میں مبالغہ اور تخیل سے زیادہ حقیقت پسندی سے کام لیتا ہے، ایسے مضامین اس کے یہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بکثرت ملتے ہیں جس میں تخیل اور صنعت گری بالکل مفقود ہے اور اس میں عقلی استدلال سے کام لیا گیا ہے اسی لئے محمود عقاد کا خیال ہے کہ زھادی کی شاعری علم و فکر کی منظوم دستاویز ہے یہ کسی حد تک صحیح بھی ہے
(ساعات بین الکتب ص ۱۹۲)

زھادی شاعری کا ایک واضح تصور رکھتا تھا چنانچہ اس کا اظہار اپنی رباعیات کے مقدمہ میں کیا ہے ہوسکتا ہے اس سے ہم مکمل اتفاق نہ کریں تاہم دنیا کی متعدد زبانوں میں لکھنے والے بہت سے ادیب و نقاد اس نقطۂ نظر کو پسند کرتے ہیں، وہ لکھتا ہے "شعر وہ ہے جو شاعر اپنے احساس کو محسوس کر کے مترنم اوزان میں نظم کرتا ہے اور جس سے سامع متحرک ہو، میں شعر کے لئے قواعد کا قائل نہیں ہوں یہ اصول سے ماوراء ہوتے ہیں، اسے بیڑیوں اور زنجیروں سے جکڑا نہیں جا سکتا، اس کی مثال اس جاندار شئی کی سی ہے جو نشو و ارتقاء کے راستہ پر گامزن ہو، شعر زمانے کے مطابق جدید ہوتا رہتا ہے، اس کا مستحق بھی ہے، وہ ادنیٰ سے اعلیٰ، بسیط سے مرکب کے اصول کا قائل ہے، میں مبالغہ اور ہر غیر حقیقی چیز سے بچا کر اپنی شاعری کو فطری زندگی میں لیجانا پسند کرتا ہوں، شاعر کے لئے یہ بالکل موزوں ہے کہ وہ ان تقالید سے بچے جو اسے سلف سے ملی ہیں اس کو وہی کہنا چاہئے جو اس نے محسوس کیا ہے۔

چنانچہ میں ہمیشہ ان راستوں سے بچتا ہوں جن پر دوسروں کے قدم آواز دیتے ہوں، میرا یہ اعتقاد ہے کہ آزادی تقلید سے برتر ہے، میں نے حسب استطاعت شعر کو صفت لفظی اور باطل خیالات سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے، اس کو حقیقت سے منطبق کیا، مبالغہ سے بچایا اور زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ کیا ہے، نظم میں چند بیتوں کے بعد جب وہ ایک فصل سے دوسری فصل کی طرف منتقل ہوتی ہو تو قافیہ میں تبدیلی کو جائز سمجھتا ہوں، میں شاعر کے لئے روا سمجھتا ہوں کہ جس وزن پر بھی چاہے شعر کہے، اس سلسلہ میں خلیل یا دوسروں کے اوزان کے بارے میں کوئی تفریق نہیں، جدت کی طرف حوصلہ پسند طبیعت مائل ہوتی ہے، تجدید سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ عرب شعراء مغربی شعراء کے احساسات کی تقلید کریں کیونکہ ہر قوم کا مخصوص احساس ہوتا ہے جسے دوسری قوم محسوس نہیں کرتی مثلاً موسیقی ہے، اگر عربی اور مغربی شعر کا باہمی ترجمہ کیا جائے تو اس کا زیادہ تر حسن جاتا رہتا ہے لیکن جب مترجم اس میں تصرف کر کے اسے اپنی قوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعور سے قریب لاتا ہے یا ایسے احساسات جو دونوں قوموں میں مشترک ہوں اس کی عکاسی کرتا ہے تو اس کی خوبی باقی رہتی ہے (محاضرات عن جمیل الزھاوی، ناصر الحانی ص۱۱-۱۶

شاعری کے بارے میں زھاوی کے یہ خیالات تفصیل سے اس کے اشعار میں کارفرما نظر آتے ہیں، اس کی نظمیں، غزلیں اور رباعیات اسی فکر کی ترجمانی کرتی ہیں، وہ ایک عالم کی طرح اپنے اشعار میں فکر و استدلال سے کام لیتا ہے اور سامع کے احساسات کو اپیل کرنے کے ساتھ اس کے دماغ کو بھی مطمئن کرنا چاہتا ہے اس کی نظم "الشعر مرآۃ" استدلال کی اچھی مثال ہے اس میں وہ شعر کی افادیت بیان کرتا اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے ایک شاعر سے زیادہ عالم کی دلیل پر دلیل دیتا چلا جاتا ہے اس میں جذبہ، تخیل سے کام نہیں لیتا، اس طرح یہ نظم خالص فکری مجادلہ بن کر رہ جاتی ہے مگر جب اس کی یہی عالمانہ شان احساس کی شدت، جذبہ کی آنچ اور خیال سے پر پرواز مستعار لیتی ہے تو وہ بہترین اور نادر شہ پارے تخلیق کرتا ہے، اس قسم کی نظموں میں 'العلم والجہل'، 'خطی ہو النظر'، 'حکمۃ فی الشعر'، 'لم تدم لنا'، اور 'الا انا وحدی' وغیرہ نمونہ کی مثالیں ہیں خاص طور پر موخر الذکر اپنے لہجہ کے سوز و گداز مترنم بحر، اور برجستگی کے اعتبار سے بہت موثر ہے اس کو پڑھ کر روح کو تسکین اور مسرت ملتی ہے ؎

(۱) روض و بستان ـــ ورد وریحان
بلابل تشجو ـــ منهن الحان
تمشی ذرافات ـــ حور وولدان
الکل مرتاح ـــ الکل جذلان
الناس فی رغد
الا انا وحدی

(۲) تزداد آلامی ـــ عاما علی عام
اهکذا اشقی ـــ فی کل ایامی
فاین آمالی ـــ واین احلامی
اذدنا حتفی ـــ تزول آلامی
فلیس لی شیء
سوی الردی یجدی

(۳) للقوم احقاد ÷ علیّ تزداد
کم کادلی کیدا ÷ للؤم اغداد
کان قومی عن ÷ نهج الهدی حادوا
انی وان جاءت ÷ علی بغداد
اهدی لها حبی
هذا الذی عندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) نبایتی انہارت : تجارتی یارت   سعادتی ولت : تعاستی زادت
جسارتی قلت : بلادتی خارت   عصفورتی مرّت : حمامتی طارت

لقد اتی نحسی

وفد مضی سعدی

ان اشعار میں زھاوی نے اپنے درد و کرب کا جس پُر زور مایوسانہ لہجہ میں اظہار کیا ہے وہ ایک حساس قاری کے احساسات کو جگانے کے لئے کافی ہیں، اس میں شعریت بہت حسین انداز میں پائی جاتی ہے الفاظ کی تراکیب میں جو چستی ہے اس نے اشعار میں روانی اور ترنم پیدا کر دیا ہے، یہ ترنم اس آبشار کے مانند ہے جو متوسط درجہ کی اونچائی سے گرتا مگر زیادہ پُر شور اور متلاطم نہ ہو لیکن تیز اور نغمگیں ہو۔ شاعری کی مقصدیت زھاوی کا بنیادی تصور ہے۔ اس نے رسوم و قیود سے بالا تر ہو کر آپ بیتی اور جگ بیتی کو شاعری کا موضوع بنایا ہے کیونکہ اس کے نزدیک شاعری کا منصب نہ صرف انسانی جذبات افکار کی ترجمانی کا ہے بلکہ رہنمائی اور تعمیرِ حیات کا بھی، اس ترجمانی میں وہ صداقت، حسن اور SPONTANEITY آمد کا بنیادی طور پر قائل ہے۔ میرے خیال میں زھاوی پہلا عرب شاعر ہے جس نے شاعری میں پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ انفرادی و اجتماعی تجربات و افکار کو سمویا ہے اور عرب شاعری کو پرانے ذہنی ماحول سے نکال کر جدید دَور کی پیچیدہ فکری و سماجی الجھنوں سے روشناس کرایا ہے اور تہذیبی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی کشمکش کو شاعری کا موضوع بنا کر اسے وسعتِ بیان عطا کی، اس نے صنعت کی جادوگری کے بجائے فکر کی ظاہری دلبری سے کام لیا ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ زھاوی کی وسیع شاعری اپنے مضامین کی کثرت، احساسات کی شدت اور تنوع کے اعتبار سے ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے، ان اشعار میں وہ تمام مسائل بکھرے ہوئے ملیں گے جو اُنیسویں صدی کے آخر سے بیسویں صدی کے نصف اول تک عربوں و ترکوں یا دوسرے لفظوں میں عرب ممالک بالخصوص عراق میں ابھرے ہیں، اس کی فکر کی وسعتیں اپنے دامن میں پورے مشرق کو سموئی ہیں، وہ مشرق کی پستی، جہالت اور مفلسی پر آنسو بہاتا ہے، ان آنسوؤں کے اندر ایک دردمند انسان کے دل کی حرارت اور سوزش ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زھاوی کی شاعری فکر و فنی اعتبار سے ایک نئے دور کا آغاز کرتی ہے، اس نے فن کے میدان میں نئی راہیں تلاش کیں، حالی کی طرح اس نے فنِ شاعری کو نیا ذہن اور نئی آب و تاب سے روشناس کرایا مگر جس طرح حالی اپنی بعض نظموں میں فنی اعتبار سے پھسپھسے نظر آتے ہیں اسی طرح زھاوی بھی ہے، اس نے شاعری کو زیادہ معروضی OBJECTIVE بنانے کی کوشش کی، شوقی کا یہ خیال توجہ کے قابل ہے، اس نے زھاوی کی شاعری پر پُر زور تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے " اس کی شاعری بہت زیادہ سائنٹفک ہے اور سائنس بہت زیادہ شاعرانہ، وہ زندگی کے حسن سے نہ تو حقیقی طور پر لطف اندوز ہو سکتا ہے اور نہ اس کے قبح پر آنسو ہی بہا سکتا ہے"، جدید عربی ادب کے چند پہلو، معارف اکتوبر ۱۹۵۹ء محمود الحسن ندوی)

شوقی کی تنقید کا دوسرا حصہ بڑی حد تک دونوں کی شخصیتوں میں فرق پر مبنی ہے، شوقی کی عمر کا بیشتر حصہ محل کی چار دیواری میں گذرا تھا، جہاں کی ہر چیز زندگی کے وسیع مفہوم اس کی لذتوں اور کلفتوں سے دور ہوتی ہے۔ جس میں تصنع، سطحیت، اور تملق ہی زندگی کے معنی ہوتے ہیں، ایسے ماحول میں جس شخص کے جذبات و افکار کی نشو و نما ہوئی ہو اس کے یہاں حقیقت پسندی، گہرائی اور گیرائی، چیخیں اور کراہیں، تلخیاں و جھلاہٹ، بغاوت و انقلاب کے حوصلے، تعمیر حیات و کائنات کی امنگیں مشکل سے ملتی ہیں، افسوس ہے کہ شوقی نے بڑی جرأت سے ان خصوصیات کا زھاوی کی شاعری میں انکار کیا ہے۔ حالانکہ اس کے فن میں کمزوری ہو سکتی ہے لیکن فکر و جذبات کی ایک پُر خلوص دنیا اس کی شاعری میں آباد ہے اور خفاجی کے " زھاوی لطیف جذبات کا شاعر ہے، اس نے قنوطیت سے دامن بچا کر مصری کی تقلید کی ہے، وہ رجائیت پسند انیسویں صدی کی آغوش میں پروان چڑھا تھا جس میں انسان عقل اور عقلیت پر زیادہ بھروسہ رکھتا تھا " " جدید عربی ادب کے چند پہلو" معارف اکتوبر محمود الحسن ندوی

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عظیم شاعر کی ہر تخلیق اعلیٰ مرتبہ کی حامل نہیں ہوتی، بہت سا حصہ رطب و یابس سے بھرا ہوتا ہے، چنانچہ زھاوی کے متعدد مجموعوں میں اعلیٰ درجہ کی نظموں کے پہلو بہ پہلو ایسی بیشمار نظمیں ملیں گی جو آسانی سے تیسرے درجہ کی کہی جا سکتی ہیں لیکن یہ کسی شاعر کے جانچنے کا معیار بھی نہیں ہے اس کا تعین ان نظموں سے ہوتا ہے جس میں شاعر اپنی قابلیت کے ساتھ کسی خاص فکر و شعور کو شاعرانہ حسن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ بیان کرتا ہے، آرنلڈ نے عظیم شاعر کی تعریف بہت مختصر مگر جامع الفاظ میں کی ہے " اس حقیقت کو مدنظر رکھنا اہم ہے کہ شاعری بنیادی طور پر تنقیدِ حیات ہے، اور مزید یہ کہ شاعر کی عظمت اس بات پر موقوف ہے کہ وہ نظریہ کو زندگی سے خوبصورت اور توانا طریقہ سے مطابقت دینے میں کامیاب ہو جائے ۔ یہ سوال کہ زندگی کس طرح گذاری جائے
ESSYO IN CRITICISM
PAGE 85 ARNOLD

زہاوی نے اپنے نظریات و تاثرات کو پُر زور اور خوبصورت طریقہ پر نظم کے قالب میں ڈھالنے کی متعدد جگہوں پر کوشش کی ہے۔ وہ اپنے اشعار کی زبانی کہتا ہے۔

نمبر۲ یا شعر انك انت صوت ضمیری — یبدی یلك حزنی تارۃ وسروری

یا شعر انت بکائی یوم کآبتی — وتبسمی یا شعر یوم صبوری

انا انت یا شعری وانت انا فمن — یقرأك یقرأ سیرتی وشعوری

درحقیقت اگر غور سے دیکھا جائے تو زہاوی کی شاعری اس سوال کا جواب دینے کی کوشش ہے۔

اللباب ص ۸۲ کہ زندگی کیسے گذاری جائے اس کے یہاں اس کا جواب، سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی افکار کی شکل میں ملتا ہے کیونکہ وہ زندگی کو بحیثیت مجموعی بلند مرتبہ تک لے جانا چاہتا ہے یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا جب اسے نیا پیغام دیا جائے اور وہ علم وحقیقت پر مبنی ہو زہاوی چونکہ اپنے دور کی سیاسی و معاشرتی برائیوں سے واقف تھا اور دور کرنے کا غیر معمولی جذبہ رکھتا تھا اس لئے اس کی شاعری میں ان برائیوں کا اظہار ملتا ہے، زہاوی کی شاعری کا تجزیہ اور اس سے مسرت وبصیرت حاصل کرنے کے لئے اس کا مطالعہ اسی طرح کرنا چاہئے۔

(باقی)

سلاطینِ ہند کی علم پروری

اس کتاب میں شاہانِ ہند کی علم دوستی کو بڑے اچھے اسلوب سے پیش کیا گیا ہے، جناب مصنف نے بڑی کاوش سے ہندوستان کے تمام حکمرانوں کے علم پرستی کے حالات کو یکجا جمع کر دیا ہے۔

قیمت مجلد دو روپے۔ غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ 1/50

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com